احباب جماعت

اور

اپنی اولاد سے ایک اہم خطاب

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

احباب جماعت

اور

اپنی اولاد سے ایک اہم خطاب

(تحریر فرمودہ ۱۱؍نومبر ۱۹۳۸ء بمقام قادیان)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سب سے پہلے مَیں بھی مَنۡ لَّمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ[1] کے مطابق تینوں اداروں کے اساتذہ وطلباء کا اس تقریب کے پیدا کرنے اور ان جذبات کی وجہ سے جو اس تقریب کے پیدا کرنے کے مُحرّک تھے شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کو وہی تحفۂ اسلامی جو ایسے مواقع پر پیش کیا جاتا ہے اور جو بہترین اور مبارک تحفہ ہے پیش کرتا ہوں یعنی جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ۔

تینوں ایڈریس جو اس وقت پیش کئے گئے ہیں وہ گو تین مختلف اداروں کی طرف سے ہیں لیکن تینوں نے اپنے اپنے رنگ میں اتحاد کی صورت پیدا کر لی ہے اور وہ راہ نکال لی ہے جو تعلقات کو ان لوگوں سے وابستہ کرتی ہے جن کی آمد پر یہ ایڈریس پیش ہوئے ہیں۔ تینوں ایڈریس سنتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ ان ایڈریسوں میں ان کی وہی حیثیت بیان کی گئی ہے جو حضرت بابا نانکؒ کی ہے یعنی ہندو انہیں ہندو کہتے ہیں اور مسلمان مسلمان۔ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ نے ان کو جوڑ توڑ کر اپنے اندر شامل کر لیا ہے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول نے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ سب خوش ہو گئے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں اور اس حقیقی روح کو سمجھیں جو احمدیت نے ہم میں پیدا کی ہے تو پھر کسی

قسم کی علیحدگی ہم میں نہیں رہتی اور یہ سارے ادارے اور کارخانے ایک ہو جاتے ہیں۔ جب کسی شخص کے ہاتھ کو اندھیرے میں کوئی دوسرا شخص چُھوئے اور پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو وہ کہے گا مَیں ہوں۔ یا اس شخص کی ٹانگ کو کوئی ہاتھ لگائے اور پوچھے کہ تم کون ہو تو وہ یہی کہے گا کہ مَیں ہوں۔ یا اس شخص کے سر کو کوئی ہاتھ لگائے اور پوچھے کہ میں کسے ہاتھ لگا رہا ہوں تو وہ کہے گا کہ مجھے۔ یا اس کی پیٹھ پر ہاتھ لگائے اور پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو وہ پھر بھی یہی کہے گا کہ مَیں ہوں۔ گویا ان سب سوالات کے پیچھے ایک ہی جواب ہوگا۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مؤمن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو جسم کے باقی اعضاء کو بھی تکلیف ہوتی ہے[۲] بے شک رقابت اچھی چیز ہے قرآن مجید نے بھی ہمیں حکم دیا ہے کہ **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ**[۳] کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو مگر ہر امر میں رقابت کا حکم نہیں صرف خیرات۔ یعنی نیکیوں میں رقابت کا سبق دیا گیا ہے۔ گویا خیرات کہہ کر اللہ تعالیٰ نے مسابقت کی ایک نرالی شکل بنا دی ہے۔ ہر وہ مسابقت جو اپنی ذات میں بُرائی رکھتی ہے اس حکم سے نکل جاتی ہے۔ ہر وہ مقابلہ یا مسابقت جس میں حسد ہو یا عداوت ہو وہ **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ** میں داخل نہیں کیونکہ **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ** میں صرف نیکیوں میں مسابقت اور مقابلہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس تمام وہ مسابقتیں اور وہ مقابلے جن کے نتائج میں حسد، عِناد اور بُغض پیدا ہوتا ہے اس حکم کے دائرے سے خارج ہیں۔ صرف وہی مسابقتیں اور مقابلے جائز اور درست اور مفید ہیں جن کے نتیجے خیر اور نیکی پیدا کرتے ہیں پس گو یہ ادارے مختلف ہیں مگر حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ یہ جماعت کی ضرورتیں ہیں جن کو مختلف شکلیں دی گئی ہیں۔ ایک ادارہ اگر جماعت کا سینہ ہے تو دوسرا پاؤں ہے۔ اسی طرح یہ سب ادارے جماعت کے لئے اعضاء ہیں کوئی کان ہے، کوئی ناک، کوئی سر ہے تو کوئی آنکھیں۔ غرض یہ ساری چیزیں درحقیقت ایک جسم ہیں جن کے پیچھے ایک مَیں ہے جو بول رہی ہے اور وہ مَیں احمدیت ہے جو سب اداروں پر چھائی ہوئی ہے۔ ان میں کسی ادارہ کا نقص احمدیت میں نقص پیدا کرتا ہے اور ان میں سے کسی کا کمال احمدیت کا کمال ہوتا ہے پس گو نام جُدا جُدا ہیں لیکن حقیقت ان کی ایک ہی ہے۔

مولوی شیر علی صاحبؓ دو اڑھائی سال کام کرنے کے بعد واپس آئے ہیں۔ مولوی صاحب ایسے کام کیلئے باہر بھیجے گئے تھے جو اس وقت جماعت کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کام کا مشکل حصہ یعنی ترجمہ کا کام پورا ہو چکا ہے اب دوسرا کام نوٹوں کا ہے جو لکھے جا رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں

یورپ میں جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ مولوی صاحب کو واپس بُلا لیا جائے تا کہ وہ یہاں آ کر کام کریں ایسا نہ ہو کہ جنگ کی صورت میں رستے بند ہو جائیں۔ پس دوستوں کی بہترین دعوت تو یہ ہے کہ مولوی صاحب جلد سے جلد اس کام کو ختم کریں تا کہ یہ ایک ہی اعتراض جو مخالفین کی طرف سے جماعت پر کیا جاتا ہے کہ اس جماعت نے ابھی تک ایک بھی قرآنِ مجید کا انگریزی ترجمہ شائع نہیں کیا دور ہو جائے اور ہماری انگریزی تفسیر شائع ہو جائے۔

درد صاحب ایک لمبے عرصے کے بعد واپس آئے ہیں ۱۹۳۳ء کے شروع میں وہ گئے تھے اور اب ۱۹۳۸ء کے آخر میں واپس آئے ہیں ان دونوں سالوں کا درمیانی فاصلہ پونے چھ سال کا بنتا ہے اور پونے چھ سال کا عرصہ انسانی زندگی میں بہت بڑے تغیرات پیدا کر دیتا ہے۔ بعض دفعہ باپ کی عدم موجودگی میں اولاد کی تربیت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے اخلاق پر بُرا اثر پڑ جاتا ہے۔ بعض دفعہ گھر سے ایسی تشویشناک خبریں موصول ہوتی ہیں جو انسان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں۔ عام لوگ ان مشکلات کو نہیں سمجھتے جو ایک مبلّغ کو ایسی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو عام لوگ نہیں کر سکتے بلکہ اکثر اوقات اسے ایسی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو دوسروں کے لئے ناممکن ہوتی ہیں۔ جماعت کے کئی آدمی ان قربانیوں کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور وہ گھر میں بیٹھے بیٹھے اعتراض کر دیتے ہیں اگر وہ ان قربانیوں کی حقیقت کا اندازہ لگائیں تو وہ مبلّغوں کے ممنون ہوں۔ کئی دفعہ ان کو اپنے گھروں سے پریشان کرنے والی خبریں ملتی ہیں اور وہ اپنی سمجھ کے مطابق ہدایات بھی دیتے ہیں مگر چونکہ خطوط کے پہنچنے میں ایک ایک دو دو مہینے لگ جاتے ہیں ان کو فکر ہوتا ہے کہ ان کی ہدایات کے پہنچنے سے پہلے ان پر کیا گزرتی ہوگی انہیں اپنے بھائیوں کا فکر ہوتا ہے، اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت کا فکر ہوتا ہے۔ اس قدر لمبے فاصلہ کو جانے دو تم اتنے فاصلہ کا ہی اندازہ لگا لو جو محلّہ دارالفضل اور مدرسہ احمدیہ کے درمیان ہے اگر اتنے معمولی فاصلہ سے ہی تم میں سے کسی کو اپنے عزیز کے متعلق کوئی تشویشناک اطلاع ملے تو تم اس قدر گھبرا جاتے ہو کہ کسی سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتے اور اگر راستے میں کوئی شخص تم سے بات کرنا چاہے تو تم جھٹ اس کو روک دو گے اور کہو گے کہ مجھے ایک ضروری کام ہے میں اس وقت بات نہیں کر سکتا۔ اگر تمہاری یہ حالت اس تھوڑے سے فاصلہ پر ہو جاتی ہے تو پھر ان کا اندازہ کرو جو ہزاروں میل اپنے گھروں سے دور ہوتے ہیں۔

ان کے خاندان میں بھی وہی مشکلات پیش آئی ہیں جو تمہیں پیش آتی ہیں۔ ایسی

پریشان کُن خبریں ان کو بھی اپنے عزیزوں کی طرف سے ملتی ہیں جیسے تمہیں ملتی ہیں مگر تم چند منٹ کے فاصلہ پر ہونے کے باوجود کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتے اور اگر کوئی راستہ میں تم سے بات کرنا چاہے تو تم اس کو روک دیتے ہو تو پھر ان کی کیفیت کا اندازہ لگاؤ جو ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہوتے ہیں اور جو اپنی خانگی پریشانیوں کا کوئی علاج نہیں کر سکتے۔

غرض ہمارے مبلّغ جو خدمتِ دین کے لئے باہر جاتے ہیں ان کا جماعت پر بہت بڑا حق ہے نادان ہے جماعت کا وہ حصہ جو ان کے حقوق کو نہیں سمجھتا۔ یورپ کے لوگ ایسے لوگوں کو بیش بہا تنخواہیں دیتے اور ان کیلئے ہر قسم کے آرام ور ہائش کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ جب ان کے ڈپلومیٹ یعنی سیاسی حکام اپنے مُلکوں میں واپس آتے ہیں تو ملک انکی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔فرانس کے ایمبیسیڈر (AMBASSADOR) کی تنخواہ وزیراعظم کی تنخواہ سے زیادہ ہوتی ہے مگر جب وہ اپنے ملک میں آتا ہے تو اہل ملک اس کی قربانیوں کی اس قدر تعریف کرتے ہیں اور اس کے اس قدر ممنون ہوتے ہیں کہ گویا وہ فاقے کرتا رہا ہے اور بڑی مشکلات برداشت کرنے کے بعد واپس آیا ہے۔ اور دُور جانے کی کیا ضرورت ہے ہندوستان کے وائسرائے کو دیکھو کہ اس کے کھانے اور آرام و آسائش کے اخراجات خود گورنمنٹ برداشت کرتی ہے اور بیس ہزار روپیہ ماہوار جیب خرچ کے طور پر اسے ملتے ہیں وہ پانچ سال کا عرصہ ہندوستان میں گزارتا ہے اور اس عرصہ میں بارہ لاکھ روپیہ لے کر چلا جاتا ہے صرف لباس پر اس کو اپنا خرچ کرنا پڑتا ہے یا اگر کسی جگہ کوئی چندہ وغیرہ دینا ہو تو دے دیتا ہے ورنہ باقی تمام اخراجات گورنمنٹ برداشت کرتی ہے لیکن باوجود اس کے جب وہ اپنے ملک کو واپس جاتا ہے تو اس کی قربانیوں کی تعریف میں ملک گونج اُٹھتا ہے اور ہر دل جذبہ تشکر و امتنان سے معمور ہوتا ہے اور یہ جذبہ ان میں اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ گویا ان کے جذبات کا پیالہ چھلکا کہ چھلکا۔ یہی گُر ہے قومی ترقی کا جب کسی قوم میں سے کوئی فرد ایک عزم لے کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ میری قوم میری قدر کرے گی۔ بیشک دینی خدمت گزاروں کو اس کی قربانیوں کی پرواہ نہیں ہوتی لیکن اگر اس کی قوم اس کی قربانیوں کی پرواہ نہیں کرتی تو یہ اس قوم کی غلطی ہے۔ بیشک ایک مؤمن کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہئے اور پھر ایک ایسی قوم کا نمائندہ جو اپنے آپ کو نیک کہتی ہے، وہ تو ان خیالات سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ اس کو صرف اپنی ہی ذمہ واریوں کا احساس ہوتا ہے مگر اسلام نے جہاں

فرد پر ذمہ داریاں رکھی ہیں وہاں قوم پر بھی ذمہ واریاں رکھی ہیں۔ جس طرح کسی فرد کا حق نہیں کہ وہ اپنی ذمہ واریوں کی پرواہ نہ کرے اسی طرح قوم کا بھی حق نہیں کہ وہ اپنی ذمہ واریوں کی پرواہ نہ کرے۔ قوم کے فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ قوم نے میری قربانیوں کی پرواہ نہیں کی اور اگر وہ یہ خیال اپنے دل میں لایا ہے تو دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے یہ کام کیا ہے خدا تعالیٰ کے لئے نہیں کیا پس فرد کے دل کے کسی گوشہ میں بھی یہ خیال نہیں ہونا چاہئے اور نہ فکر کے کسی حصہ میں کہ قوم نے میری قربانیوں کی پرواہ نہیں کی یا جیسا کہ میری خدمت کرنے کا حق تھا وہ اس نے ادا نہیں کیا ایسا آدمی اپنے کئے کرائے پر خود پانی پھیر دیتا ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرد پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں اسی طرح قوم پر بھی ذمہ داریاں رکھی ہیں اور وہ یہ کہ قوم اس فرد کی خدمات اور قربانیوں کی قدر کرے کیونکہ قوم بھی ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہے جیسے فرد۔

اسلام نے دونوں کی شخصیتیں تسلیم کی ہیں وہ قوم کی بھی ایک قانونی شخصیت تسلیم کرتا ہے اور فرد کی بھی۔ اس زمانہ میں یورپ والے اس قسم کی شخصیتوں کے ثابت کرنے پر بہت نازاں ہیں چنانچہ حال ہی میں مسجد شہید گنج کو ایک قانونی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے مگر ان کو معلوم نہیں کہ یہ امر آج سے ساڑھے تیرہ سَو سال پہلے اسلام نے پیش کیا تھا یہ وہی امر ہے جسے ہمارے فقہی فرضِ کفایہ کہتے ہیں۔

فرضِ کفایہ میں قوم کو ایک شخصی حیثیت دی جاتی ہے اگر کسی قوم کے بعض افراد میں خوبی ہو تو وہ خوبی اس قوم کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اگر کسی قوم کے افراد میں کوئی عیب ہوتا ہے تو وہ عیب اس قوم کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ قوم افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ مثلاً زید صرف زید کے ہاتھوں یا پاؤں کا نام نہیں بلکہ اس کے اعضاء سر، آنکھیں، ناک، کان، منہ، سینہ، پیٹھ اور ٹانگوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

غرض اسلام نے فرضِ کفایہ میں شخصیتِ قومی کے وجود کو تسلیم کیا ہے اور اس کی رو سے اسلام نے فرد پر بھی بعض حقوق رکھے ہیں۔ اور قوم پر بھی بعض حقوق رکھے ہیں دوسرے جس طرح فرد ایک قانونی حیثیت رکھتا ہے ویسے ہی قوم بھی ایک قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ فرد بے شک حقیقی وجود بھی ہے اور قانونی وجود بھی اور اس کے مقابل پر قوم صرف قانونی وجود ہے حقیقی وجود

نہیں مگر اس پر قانونی وجود کے لحاظ سے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے قوم کے ایک فرد پر۔

اسلام نے بعض امور کے کرنے کا قوم کو حکم دیا ہے اگر قوم کے افراد میں سے بعض نے وہ امور سرانجام دے دیئے تو اس صورت میں ساری قوم بری الذمہ ہو جائے گی اور اگر کوئی فرد بھی وہ کام نہ کرے تو اس صورت میں ساری قوم پکڑی جائے گی۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے اور قرآن مجید کی آیات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ جھوٹی قسم کھانے سے ملک برباد ہو جاتا ہے[۲] حالانکہ جھوٹی قسم کھانے والا صرف ایک فرد ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں ملک کو قانونی وجود کے لحاظ سے تسلیم کیا گیا ہے قوم کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی نگرانی کرے اور اگر وہ نگرانی نہیں کرتی تو اس صورت میں گویا وہ اپنے ملک کو آپ تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ ہماری شریعت نے بعض مقامات پر قتل یا اسی قسم کے بعض اور جرائم کی سزا جرمانہ کی صورت میں رکھی ہے۔ اگر کوئی ان جرائم میں سے کسی کا مرتکب ہو اور وہ جرمانہ ادا نہ کر سکے تو اس صورت میں وہ جُرمانہ سب قوم سے وصول کیا جائے گا عملی طور پر بھی رسول کریم ﷺ نے ایسا کیا ہے کیونکہ فرد کا نقصان قوم کا نقصان ہے اور اسکی تلافی بہرحال کسی طرح ہونی چاہئے۔ اگر وہ فرد یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اپنے جُرم کا بدلہ جُرمانہ کی صورت میں ادا کرے تو پھر قوم کو اس کا جُرمانہ ادا کرنا ہو گا کیونکہ قوم پر ہر فرد کے ایسے افعال کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اگر قوم اس سے نقصان دلوا سکتی ہے تو دلوا دے ورنہ قوم کو اس نقصان کی تلافی کرنی ہوگی۔ اگر کوئی شخص جُرم کرے اور اس جُرم کے عوض میں اس پر دس ہزار روپیہ جُرمانہ کر دیا جائے اور اس کی حیثیت صرف دو ہزار روپے کی ہو تو وہ باقی رقم کہاں سے ادا کرے گا۔ اس صورت میں شریعت اس فعل کی ذمہ داری اس کی قوم پر ڈالتی ہے جس کا وہ فرد ہے اس کی قوم باقی روپیہ جمع کر کے اس کے نقصان کی تلافی میں ادا کرے گی۔ تو اسلام نے قانونی وجود کو بڑی وضاحت سے تسلیم کیا ہے نادان لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر کیا ذمہ داری ہے حالانکہ اسلام نے شخصی وجود کو بھی تسلیم کیا ہے اور قانونی وجود کو بھی تسلیم کیا ہے۔ پس جب تک ہماری جماعت کے افراد میں اس کا احساس نہیں ہوتا وہ ان مبلّغین کی قربانیوں کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے یہ کام سب افرادِ جماعت پر فرض ہے مبلّغین اس کام کو بطور فرض کفایہ کرتے ہیں وہ جہاں اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں وہاں قوم کی ذمہ داری کو بھی ادا کرتے ہیں۔ ہمارے سب مبلّغین جو انگلستان، امریکہ، افریقہ، عرب اور دیگر ممالک میں تبلیغ کرتے ہیں وہ فرضِ کفایہ ادا کرتے ہیں اور ہماری طرف سے اس ذمہ داری کو جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد کی ہے

ادا کرتے ہیں اور جب وہ ہمارا کام کرتے ہیں تو ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم ان کا حق ادا کریں۔

پس مَیں اپنی جماعت کے نوجوانوں کو خصوصاً اور دوسرے احباب کو عموماً یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ملک اور قوم کے قانونی وجود کو سمجھیں۔ آرام سے بیٹھے رہنے اور اعتراض کرنے سے قومیں ترقی نہیں کرتیں۔ نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں اور مبلّغین کی قربانیوں کی قدر نہیں کرتے ان کے نزدیک گویا یہ لوگ ان کے باپ دادوں کا قرضہ اُتار رہے ہیں وہ اپنی نادانی سے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ لوگ ہمارا ہی کام کر رہے ہیں۔

ایسے لوگوں کی مثال اُس عورت کی سی ہے جو ایک اور عورت کے گھر آٹا پیسنے کے لئے گئی اُس نے اُس سے چکی مانگی گھر کی مالکہ نے اُسے چکی دے دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ رات آٹا پیستے پیستے تھک گئی ہوگی اور اس کی مدد کروں۔ چنانچہ اُس نے اُسے کہا کہ بہن تم تھک گئی ہوگی تم ذرا آرام کر لو مَیں تمہاری جگہ چکی پیستی ہوں۔ وہ عورت چکی پر سے اُٹھ بیٹھی اور اِدھر اُدھر پھرتی رہی اچانک اُس کی نظر ایک رومال پر جا پڑی جس میں روٹیاں تھیں اُس نے وہ رومال کھولا اور گھر کی مالکہ کو کہا بہن! تُو میرا کام کرتی ہے تو میں تیرا کام کرتی ہوں اور یہ کہہ کر اُس نے روٹی کھانی شروع کر دی۔ تو بعض لوگ اِس قسم کی روح ظاہر کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ مبلّغ کا شکریہ ادا کریں اور اس کی قربانیوں کی قدر کریں وہ ان پر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں گویا وہ مبلّغ اُن کے باپ دادے کا قرض دار تھا اور اب وہ قرضہ ادا کر رہا ہے اور اگر اُس نے قرضہ کی ادائیگی میں ذرا بھی سُستی دکھائی تو اُس کے گلے میں پٹکا ڈال کر وصول کر لیا جائے گا۔ اِس قسم کے اعتراضات کرنے والے بڑے بے شرم ہیں وہ یہ دیکھتے ہی نہیں کہ یہ ہمارا حق ادا کر رہا ہے اور جس کام کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہم پر رکھی ہے اسے یہ سرانجام دے رہا ہے۔ وہ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوتے ہیں اور اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں ایسے لوگ قومی شخصیت کی حقیقت کو نہیں سمجھتے صرف فردی شخصیت کو سمجھتے ہیں پس ہماری جماعت کے ان لوگوں کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور اس کی اصل حقیقت سے واقف ہونا چاہئے۔

ان ایڈریسوں میں ہمارے بچوں کے آنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے جسمانی طور پر بچوں کا آنا بے شک خوشی کا موجب ہوتا ہے اور اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مَیں غلط بیانی کروں گا اگر کہوں کہ مجھے ان بچوں کے آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ایسے موقع پر خوش نہ ہو باپ یا بھائی یا بیٹے کے آنے کے علاوہ کسی کا کوئی دوست بھی آئے تو میں

نہیں کہہ سکتا کہ اُس کے دل میں خوشی کے جذبات پیدا نہ ہوں لیکن جس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھڑا کیا ہے اُس نے ہم میں ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے کہ صرف جسمانی قُرب ہمارے دلوں میں حقیقی راحت پیدا نہیں کر سکتا۔ بے شک ایسے مواقع پر انسان کو خوشی ہوتی ہے اور بہت سا اطمینان بھی انسان حاصل کر لیتا ہے لیکن پھر بھی درمیان میں ایک پردہ حائل ہوتا ہے جو بعض دفعہ ہمارے قُرب کو بُعد میں تبدیل کر دیتا ہے پس حقیقی خوشی ہمیں اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اِس پردہ کو بھی دُور نہ کیا جائے۔ اس ایڈریس میں مظفر احمد سَلَّمَهُ رَبُّهُ کی آمد اور اس کی کامیابی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ میں اس موقع پر انہیں ان کے ہی ایک قول کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو انہوں نے کچھ عرصہ پہلے کہا تھا پہلے وہ زبانی تھا اور اب اس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ مظفر احمد جب آئی۔ سی۔ ایس میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ نوکری انہیں پسند نہیں تو انہوں نے اِس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ استعفیٰ دینے کے لئے تیار ہیں مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی تعلیم یہ نہیں کہ ہم دنیا کو چھوڑ کر بُزدلی سے ایک طرف ہو جائیں ہم دنیا میں جس غرض کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اس کے لئے بحیثیت جماعت ہم پر فرض ہے کہ ہم دُنیوی طور پر بھی سلسلہ کے اصولوں کی خوبیاں ثابت کریں اور اگر ہم دنیا کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں تو پھر ہم اپنے اصولوں کی خوبیاں ثابت نہیں کر سکتے۔

پس ہمیں ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اس رنگ میں بھی دنیا میں اپنے اصول کی خوبیاں ثابت کریں۔ ملازمت کرنا کوئی معیوب امر نہیں بلکہ اگر کوئی شخص بلا وجہ ملازمت کو ترک کر دیتا ہے تو ایسے آدمی کی قربانی کوئی بڑی قربانی نہیں کہلا سکتی۔ البتہ وہ شخص جسے سچ بولنے کی عادت ہو اور اُس کا طریقِ کار انصاف پر مبنی ہو، اگر اُس سے ظلم کروانے اور جھوٹ بُلوانے کی کوشش کی جائے اور ایسا شخص نوکری چھوڑ دے تو اس کی قربانی حقیقی قربانی ہوگی کیونکہ اُس نے تقویٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے ملازمت کو ترک کیا ہے۔

ایک اور بات یہ بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ جب کسی کو کوئی اعلیٰ ملازمت ملتی ہے تو اُس میں ایک قسم کا کِبر پیدا ہو جاتا ہے مگر ایک احمدی کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ ہماری جماعت میں کمزور لوگ بھی ہیں اور غریب بھی ہیں۔ ترقی ملنے سے بعض لوگوں میں کِبر اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ غریبوں سے ملنا عار سمجھنے لگ جاتے ہیں ایسے لوگ درحقیقت انسانیت سے بھی جاتے رہتے ہیں۔ پس پہلی ذمہ داری جو اِن پر عائد ہوتی ہے وہ احمدیت کی ہے۔ احمدیت کا کام ساری دنیا

میں انصاف قائم کرنا ہے اور پھر ایک احمدی دوسرے احمدی کا روحانی رشتہ دار ہے اس لئے ہر احمدی سے محبت اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔ تم جب ایک احمدی سے ملو تو تمہیں ایسی ہی خوشی حاصل ہو جیسے اپنے بھائی سے ملتے وقت ہوتی ہے لیکن چونکہ بعض ادنیٰ درجہ کے لوگ اخلاقِ فاضلہ کو چھوڑ کر ناجائز فائدہ کے حصول کی بھی کوشش کیا کرتے ہیں اس لئے میری نصیحت یہ ہے کہ ایسے مواقع پر ہمیشہ اپنی ذمہ داری کو ملحوظ رکھو اور انصاف سے کام لو اور ایسی سفارشوں سے اپنے کانوں کو بہرہ رکھو۔ ایک اور بات ان کو یہ یاد رکھنی چاہئے کہ ہر قوم اپنے ماحول میں ترقی کرتی ہے دوسروں کے ماحول میں ترقی نہیں کر سکتی جو شخص دوسروں کے ماحول کو لے کر ترقی کرتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ حال ہی میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا آدمی چل بسا ہے۔ یعنی کمال اتاتُرک اس شخص نے اپنے وطن اور قوم کے لئے بڑی خدمات کی تھیں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جو اس کی قربانیوں کو عظمت اور احترام کی نگاہ سے نہ دیکھتا ہو مگر ایک خطرناک غلطی اس سے یہ ہوئی کہ اس نے اپنی قوم میں مغربیت کا اثر قائم کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے تُرکوں کو جسمانی آزادی دلا دی مگر ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے تُرکوں کو ذہنی غلام بھی بنا دیا ہمیں یہ طریق اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ ہم جن مقاصد کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں ان میں سے ایک مقصد مغربی تمدن کو کُچلنا بھی ہے۔ مغربی تمدن اِس وقت دنیا کو تباہی کی طرف لے جا رہا ہے ہمیں اس سے کسی صورت میں بھی متأثر نہیں ہونا چاہئے۔ پھر مغربی تمدن بھی ایک نہیں۔ فرانس کا تمدن جُدا ہے، جرمنی کا تمدن الگ ہے، انگریزوں کا تمدن اَور ہے۔ فرانس والے چُپ رہنا پسند نہیں کرتے اور انگریز بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ میرے اپنے سفر کا ہی واقعہ ہے کہ جب مَیں روم سے سوار ہؤا تو میرے ساتھ ایک یونانی تاجر بھی سوار تھا وہ کپڑوں کا تاجر تھا اور مدت سے انگلستان میں رہتا تھا اس لئے اس کا تمدن اور بود و باش بالکل انگریزوں کی طرح تھی۔ ایک اور شخص فرانس کا رہنے والا تھا وہ ہمارے ساتھ ہی سوار ہؤا۔ اُن دنوں جب میں واپس آ رہا تھا تو انگریزی اخباروں میں میری تصویریں چھپ جایا کرتی تھیں اور میرے گزرنے کے پروگرام شائع ہو جاتے تھے۔ جب ہم ایک اسٹیشن پر پہنچے تو چند مستورات ہمارے کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہاں بڑے آدمی کو پرنس یعنی شہزادہ کہتے ہیں مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ ان مستورات نے مجھ سے پوچھا کہ پرنس جو ہندوستان سے آیا ہے وہ کہاں ہے؟ میں نے انہیں کہا مجھے تو علم نہیں۔ وہ عورتیں چلی گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آئیں اور کہنے لگیں آپ نے ہم سے دھوکا کیا ہے آپ ہی تو پرنس ہیں۔ میں نے انہیں کہا

کہ مجھے تو اس کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے اخباروں میں مجھے میری تصاویر دکھائیں جن کے نیچے پرنس لکھا ہؤا تھا۔ ان مستورات نے میرا لباس دیکھ کر ہنسنا شروع کیا تو وہ انگریز جو اصل میں تو یونانی تھا اور لمبے عرصہ سے انگلستان میں رہنے کی وجہ سے انگریزی تمدن اختیار کر چکا تھا اُس کے منہ سے غصہ کی وجہ سے جھاگ نکلنے لگ گئی اور کہنے لگا کہ یہ لوگ کس قدر نالائق ہیں ان کو بات کرنی نہیں آتی۔ وہ غصہ میں اس قدر بڑھ گیا کہ قریب تھا کہ وہ اُن سے لڑ پڑتا۔ میں نے فرانسیسی کو جو میرے پاس ہی بیٹھا تھا کہا کہ اِس کو سمجھائیں کہ یہ مجھے دیکھنے آئی ہیں نہ کہ تمہیں، تمہیں کیوں اِس قدر غصہ آتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس فرانسیسی نے دو لفافے جن میں میوہ تھا نکالے اور کہا کہ کھایئے۔ اُس نے بہت اصرار کیا کہ ضرور کھاؤ۔ وہ انگریز پھر لال سُرخ ہو گیا کہ یہ کس قدر بدتہذیب ہے ایک تو واقف نہیں دوسرے بے وقت چیز کھاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ اور یورپ کے دوسرے ممالک کا تمدن علیحدہ علیحدہ ہے۔ ہمارا تمدن اسلامی تمدن ہے اور وہی حقیقی تمدن ہے جسے رائج کرنا چاہیئے۔

پھر مَیں ناصر احمد اور مبارک احمد کو توجہ دلاتا ہوں کہ ان کے لئے ملازمت کرنے کے بغیر ہی دین کی خدمت کرنے کے مواقع موجود ہیں۔ انہیں ان مواقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور سب سے پہلی بات جو اِن کو یاد رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ ان کا سب سے بڑا رُتبہ احمدی ہونے کا ہے۔ وہ لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے جماعت کی دولت لُوٹ لی ہے اور وہ لوگ بھی جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نواب زادے ہیں یہ دونوں قسم کے لوگ جھوٹے ہیں ہم نے کبھی کسی کا روپیہ نہیں کھایا اور نہ ہی ہم نواب زادے ہیں۔

پس تم احمدی ہونے کے سِوا کسی اور وجہ سے کسی قسم کی فضیلت دوسروں پر نہیں رکھتے۔ جو دوسروں کا مارا ہؤا شکار کھاتا ہے وہ معزز نہیں ہوتا۔ میرے کسی فعل کی وجہ سے یا جو عزت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے اس کی وجہ سے صرف تمدنی طور پر تمہیں فائدہ ہوسکتا ہے ورنہ حقیقی طور پر اس میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ یہ چیزیں حقیقی طور پر صرف میری ذات سے وابستہ ہیں۔ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹا ہونے کی وجہ سے حقیقی طور پر عزت حاصل نہیں۔ وہ عزت تو تب ہوتی اگر مَیں اُن کی مأموریت میں شریک ہوتا اور مَیں اُن کی مأموریت میں شریک نہیں اور نہ کوئی شریک ہوسکتا ہے البتہ تمدنی حیثیت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹا ہونے کی وجہ سے لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

پس لوگوں کے اندر اپنے متعلق جذبۂ محبت پیدا کرنے کیلئے تم اپنے اندر کمال پیدا کرو۔ میرے اندر کوئی کمال ہے تو اس سے حقیقی طور پر تم فائدہ نہیں اُٹھا سکتے وہ چیز تو طفیلی ہے۔ ایک شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت کرتا ہے ہماری بھی عزت کرے گا یا میری خلافت کی وجہ سے جن لوگوں میں جذبۂ محبت پایا جاتا ہے وہ تم سے میری اولاد ہونے کی وجہ سے محبت کریں گے مگر یہ محبت اور یہ عزت طفیلی چیز ہے۔ یہ محبت اور عزت تو ایسی ہی ہے جیسے کسی بڑے افسر کے چپڑاسی کی عزت کی جاتی ہے۔ اس کا علم ان لوگوں کو ہوتا ہے جو افسروں سے ملتے ہیں۔ بڑے بڑے نواب افسروں کو ملنے جاتے ہیں تو چپڑاسی بہت بُری طرح ان سے پیش آتے ہیں حالانکہ ان کی کوئی پوزیشن نہیں ہوتی اور خصوصاً چھوٹے افسروں کو تو وہ بہت ذلیل کرتے ہیں۔ جب کسی ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو ماتحت افسر ملنے آتے ہیں تو چپڑاسی انہیں تنگ کرتے ہیں اور بعض دفعہ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم کیا کریں صاحب کام کر رہے ہیں یا سو رہے ہیں اُس وقت ایک چپڑاسی بھی حکومت جتا رہا ہوتا ہے مگر تم جانتے ہو کہ وہ کس قدر حقیر بات کہہ رہا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اُس کو کس قدر ذلیل سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ پس ایسی عزت بھی جو دماغ پر بُرا اثر ڈالے کوئی عزت نہیں بلکہ لوگ ایسے شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پس جیسے کسی بڑے افسر کے چپڑاسی کے خلاف جذبۂ تنفّر پیدا ہوتا ہے اسی طرح اگر تم نے بھی اپنے اندر کوئی کمال داخل نہ کیا تو تم بھی اسی جذبہ کے قابل ہو گے۔

ہم دُنیوی لحاظ سے ایک معمولی زمیندار ہیں ہماری اس سے زیادہ حیثیت نہیں۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جماعت کی دولت لُوٹ لی ہے وہ جھوٹے اور فریبی ہیں جس چیز نے ہمیں روپیہ دیا ہے وہ احمدیت ہے۔ احمدیت سے قبل ہماری زمینوں کی موجودہ قیمتوں کے لحاظ سے کوئی قیمت نہ تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تو آپ کی پیشگوئیوں کے مطابق یہاں کی آبادی بڑھی اور زمینوں کی قیمتیں زیادہ ہو گئیں۔ باہر جن زمینوں کی سَو دوسَو روپیہ قیمت ہے یہاں اُس کی قیمت ہزار دو ہزار ہے اور اگر یہ زمینیں مہنگی نہ ہوتیں تو تم تینوں اِس قدر تعلیم بھی حاصل نہ کر سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے ماتحت قادیان کی آبادی بڑھی، زمینوں کی قیمتیں زیادہ ہوئیں تو تم اِس قابل ہو گئے کہ اس قدر اعلیٰ تعلیم حاصل کرو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پنجاب میں ہمارا خاندان بہت معزز تھا اِس کا اقرار غیر احمدیوں اور غیر مُسلموں کو بھی ہے۔ پرنس آف ویلز جب ہندوستان آئے تو میں بھی انہیں ملنے

گیا تھا۔ جب ملاقات کا وقت آیا تو میں نے اپنی سوٹی نیچے رکھنی چاہی اِس پر ایک سِکھ نے جسے راجہ کا خطاب ملا ہؤا تھا مجھے کہا کہ آپ بڑے آدمی ہیں اور پنجاب کے معزز خاندان سے ہیں آپ سوٹی نہ رکھیں کیا ہؤا اگر وہ شہزادہ ویلز ہے۔ تو پنجاب میں کوئی بھی پُرانا اور معزز خاندان ہمارے خاندان کی طرح نہیں مگر روپیہ ہمارے پاس نہیں۔ پہلے ہمیں سکھوں نے لُوٹا، پھر انگریزوں نے لُوٹا، ان دولُوٹوں کی وجہ سے ہماری دُنیوی حیثیت کم ہوگئی اور ایک معمولی زمیندار کی حیثیت پر آ گئے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف نہ لاتے تو ہماری ایک زمیندار سے زیادہ عزت نہ ہوتی۔ پھر زمیندار بھی ایسا جس کی زمینیں نہری نہیں ہیں۔ پس اِن زمینوں کی قیمتیں صرف احمدیت کی وجہ سے بڑھیں اس کے بعد تم اس قابل ہوئے کہ تم اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکو اس لئے تم کسی احمدی کے ممنونِ احسان نہیں مگر احمدیت کے ضرور ممنونِ احسان ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ تمہاری گردنیں کسی انسان کے سامنے نہیں جُھک سکتیں مگر تمہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ یہ سب کچھ تمہیں احمدیت کی وجہ سے ملا ہے۔

ایک اور بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ تمہیں ہمیشہ غرباء سے ملتے رہنا چاہئے۔ ہماری جماعت کا بڑا حصہ چونکہ غرباء پر مشتمل ہے اس لئے ان سے ملنا ضروری ہے اگر تم ان میں مل کر رہو اور ان کی تربیت کا کام کرو تو تم حقیقی عزت حاصل کر سکتے ہو۔ ایاز ایک مشہور جرنیل محمود غزنوی کا تھا لوگوں نے محمود کے پاس اُس کی شکایتیں کیں۔ ایاز ایک غلام تھا مگر اس نے اپنی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے ترقی کی اور بڑھتے بڑھتے جرنیل ہوگیا حتّٰی کہ وہ فنانس منسٹر (وزیر خزانہ) ہو گیا۔ لوگوں کو کچھ حسد تھا اس لئے انہوں نے محمود کے پاس شکایتیں کیں کہ وہ رات کو ہمیشہ اکیلا خزانے میں جاتا ہے اور قیمتی اشیاء وہاں سے چُرا لیتا ہے۔ یہ شکایتیں محمود کے پاس اس کثرت سے پہنچیں کہ اُسے ایاز پر بدظنی ہوگئی۔ ایک دن بادشاہ رات کے وقت خزانہ میں داخل ہو گیا اور باہر سے تالا لگوا دیا اور ایک پوشیدہ جگہ پر چُھپ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ایاز آیا اور اندر داخل ہو گیا۔ بادشاہ کی بدظنّی اَور بھی بڑھ گئی اور سمجھا کہ لوگوں کی شکایتیں صحیح ہیں مگر اس نے اپنے دل میں کہا کہ ابھی دیکھنا چاہئے کہ یہ کیا کرتا ہے۔ ایاز نے ایک کُنجی لی اور اس سے ایک ٹرنک کھولا، پھر اس میں سے ایک اور صندوقچی نکالی اور اسے کھولا اور اس میں سے ایک بُـغْـچـه[۵] نکالا جس کے اندر ایک پھٹی ہوئی گدڑی تھی، ایاز نے اپنا شاہی لباس اُتارا اور وہ گدڑی پہن لی۔ اس کے بعد اس نے مصلّٰی بچھایا اور نماز پڑھنی شروع کردی اور اس نے نماز میں رو رو کر اللہ تعالیٰ سے کہا کہ

اے خدا! مَیں اِس گدڑی میں اس شہر میں داخل ہؤا تھا اور آج تُو نے اپنے فضل سے مجھے وزارت کا عہدہ عطا فرمایا ہے اور اتنی عزت دی ہے کہ اس جگہ پر آنے سے مجھے محمود غزنوی کے سِوا اور کوئی نہیں روک سکتا۔ مَیں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تُو نے مجھے اپنے فضل سے اس مقام پر پہنچایا ہے اور اے خدا! تُو مجھے اِس بات کی بھی توفیق عطا فرما کہ جس بادشاہ نے مجھ پر اتنا رحم کیا ہے اُس کی دیانتداری سے خدمت کروں۔ محمود نے جب ایاز کی یہ دعا سُنی تو اس کے پاؤں سَو سَو من کے ہوگئے اور اُس نے دل میں کہا کہ میں نے کتنے قیمتی جوہر پر بدظنی کی ہے۔ ایاز نماز پڑھ کر اور گدڑی کو پھر اسی جگہ رکھ کر اور اپنا لباس پہن کر چلا گیا بعد ازاں محمود وہاں سے اُٹھا اور واپس آیا اور اس نے پہرہ داروں کو کہا کہ خبردار میرے آنے کا ایاز کو علم نہ ہو مگر اس تمام تر خدمت کے باوجود ایاز غلام ہی کہلاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں تم اپنے آپ کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کسی بندے کا غلام ہونے سے بچا کر صرف اپنی غلامی بخشی۔

یہ کتنا بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اس کے بعد بھی اگر تم اپنے رب کو کوئی الگ وجود سمجھو تو تم سے زیادہ احمق اور جاہل کوئی نہیں ہوگا ہماری سب عزتیں احمدی ہونے کی وجہ سے ہیں اور کوئی امتیاز ہم میں نہیں بعض کاموں کی مجبوریوں کے لحاظ سے ایک افسر بنا دیا جاتا ہے اور دوسرا ماتحت ورنہ حقیقی امتیاز ہم میں کوئی نہیں۔ حقیقی بڑائی خدمت کرنے سے حاصل ہوتی ہے خاندان کی وجہ سے نہیں۔ ہمارا خاندان دہلی کے شاہی خاندان سے بڑا نہیں گو ہم انہی میں سے ہی ہیں مگر وہ بہرحال بادشاہ تھے اور بادشاہ رُتبہ میں بڑے ہوتے ہیں مگر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دہلی کے شہزادے بازاروں میں لوگوں کو حُقّہ پلاتے پھرتے ہیں اور بعض کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مرجانے کی صورت میں ان کے لئے کفن بھی مہیا نہیں ہوتا۔ ان کے ہمسائے گورنمنٹ کو لکھ دیتے ہیں کہ یہ فلاں بادشاہ کا پوتا بغیر کفن کے مرا پڑا ہے اس کیلئے کفن دیا جائے اور گورنمنٹ اس کیلئے کفن مہیا کر دیتی ہے۔ یہ بڑائیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں اور جب وہ چاہتا ہے چھین بھی لیتا ہے۔ پس عزت کا جو چوغہ تم پہنو وہ دوسروں سے مانگا ہؤا نہ ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان میں سے ہونا یا میرا بیٹا ہونا یہ تو مانگا ہؤا چوغہ ہے تمہارا فرض ہے کہ تم خود اپنے لئے لباس مہیا کرو۔ وہ لباس جسے قرآن مجید نے پیش کیا ہے یعنی **لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ**[۶] تقویٰ کا لباس سب لباسوں سے بہتر ہے۔ غرض تم احمدیت کے خادم بنو پھر اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بھی تم معزز ہوگے اور دنیا بھی تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ کہتے ہیں

ایک احمق اپنے باپ سے لڑ پڑا باپ نے اس کو زجر کیا۔ بیٹے نے آگے سے کہا تم ایک غریب کے بیٹے ہو اور میں ایک نواب کا بیٹا ہوں حالانکہ اس کو وہ عزت اپنے باپ کی وجہ سے ہی ملی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو رتبہ اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے اگر ہم صرف اسی کو اپنی عزت سمجھ لیں تو یہ عزت ہماری مانگی ہوئی ہوگی۔ حقیقی عزت تبھی ہوگی جب ہم اس میں اپنا کمال بھی ملا لیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کیلئے خالص چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں [۷] لیکن اگر اس میں کوئی اور چیز ملا لی جائے تو پھر اس کا پہننا جائز ہو جاتا ہے۔ اس طرح باپ دادے کی عزت حقیقی عزت نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں اپنا پیتل بھی شامل نہ کر لیا جائے۔ اسی طرح خالص ریشم پہننا بھی جائز نہیں مگر وہ ریشمی کپڑا جس میں ایک تار سُوت کا بھی ہو اس کا پہننا جائز ہو جاتا ہے تو باپ دادے کی عزت کو اپنی طرف منسوب کرنا حقیقی عزت نہیں جب تک اس میں انسان اپنا کمال بھی داخل نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر سے وہ آواز اٹھائی جس کے سننے کیلئے تیرہ سَو سال سے مسلمانوں کے کان ترس رہے تھے اور وہ فرشتے نازل ہوئے جن کے نزول کیلئے جیلانی، غزالیؒ اور ابن العربیؒ کے دل للچاتے رہے مگر ان پر نازل نہ ہوئے گو بے شک یہ بہت بڑی عزت ہے مگر اس کو اپنی طرف منسوب کرنا صرف ایک طفیلی چیز ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کی اولاد اپنے باپ دادوں کی عزتوں کو اپنی عزت کہتے ہیں حالانکہ دراصل وہ ان کیلئے عزت نہیں ہوتی بلکہ لعنت ہوتی ہے۔

رسول کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ کون لوگ زیادہ اشرف ہیں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو تمہارے اندر اشرف ہیں بشرطیکہ ان میں تقویٰ ہو [۸] تو رسول کریم ﷺ نے بھی پہلی قسم کی عزت کو تسلیم فرمایا ہے مگر حقیقی عزت وہی تسلیم فرمائی ہے جس میں ذاتی جوہر بھی مل جائے۔ پس تم اپنے اندر ذاتی جوہر پیدا کرو۔ جماعت احمدیہ کے ہر فرد کا خیال رکھو، خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرد ہونے کی وجہ سے تمہیں کوئی امتیاز نہیں، امتیاز خدمت کرنے میں ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدمت کی اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر فضل نازل فرمایا۔ تم بھی اگر خدمت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر بھی اپنا فضل نازل کرے گا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

منہ از بہر ما کرسی کہ ماًموریم خدمت را

یعنی میرے لئے کُرسی مت رکھو کہ میں دنیا میں خدمت کیلئے پیدا کیا گیا ہوں اسی طرح تم بھی کُرسیوں پر بیٹھنے کے متمنّی نہ بنو بلکہ ہر مسکین اور غریب سے ملو اور اگر تمہیں کسی غریب آدمی کے پاؤں سے زمین پر بیٹھ کر کانٹا بھی نکالنا پڑے تو تم اسے اپنے لئے فخر سمجھو۔

خود تقویٰ حاصل کرو اور جماعت کے دوستوں سے مل کر ان کو فائدہ پہنچاؤ اور جو علم تم نے سیکھا ہے وہ ان کو بھی سکھاؤ۔ ''مل کر'' میں نے اس لئے کہا ہے کہ انگریز بھی کہتے ہیں کہ ہم ہندوستانیوں کو پڑھاتے ہیں۔ مجھے کئی دفعہ ان سے ملنے کا موقع ملا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں کہ تم لوگ ہم میں مل کر نہیں پڑھاتے بلکہ اپنے آپ کو کوئی باہر کی چیز خیال کر کے ہماری تربیت کرتے ہو اس لئے اس کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پس میں تم کو مل کر تربیت کرنے کیلئے کہتا ہوں۔ جماعت میں بعض کمزور دوست بھی ہوتے ہیں ان میں اسلام کی حقیقی روح کا پیدا کرنا بہت ہی ضروری کام ہے۔ جماعت کو علومِ دینیہ سے واقف کرنا، عرفانِ الٰہی کی منازل سے آگاہ کرنا، خدمت خلق، محبت الٰہی اور اسلام کی حکمتوں کا بیان کرنا بہت بڑا کام ہے۔ اسی طرح جماعت میں ایثار اور قربانی کی روح پیدا کرنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ یہ ایسے کام ہیں جن سے تم لوگوں کی نظروں میں معزّز ہو جاؤ گے۔ جماعت میں کئی آدمی اخلاق کے لحاظ سے کمزور ہیں ان کو اخلاق کی درستی کی تعلیم دو، اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق جو تحریک جماعت میں ہوتی ہے اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کرو، بعض لوگ رسم و رواج میں مبتلاء ہوتے ہیں ان کو ان رسوم سے چُھڑانے کی کوشش کرو بے شک اس کام کو سرانجام دینے میں بڑی مشکلات ہیں جیسے نئے بچھیرے پر زِین باندھا جاتا ہے تو وہ بھاگتا ہے کُودتا ہے اس لئے کہ اس کو عادت نہیں ہوتی حالانکہ اس پر زین باندھنا اس کی خوبصورتی اور قیمت کو زیادہ کرنے کیلئے ہوتا ہے مگر چونکہ وہ اس کو سمجھتا نہیں اس لئے بھاگتا ہے لیکن جب وہ عادی ہو جاتا ہے تو وہی گھوڑا جو سَو دو سَو کا ہوتا ہے بعد میں پچاس پچاس ہزار بلکہ لاکھ دو لاکھ تک اس کی قیمت پہنچ جاتی ہے۔ ہماری جماعت کے جو لوگ رسم و رواج کے مرض میں گرفتار ہیں ان کو اس سے آزاد کرنا بالکل ایسا ہی ہے۔

پس تم پر بڑی ذمہ واریاں ہیں جن کو پورا کرنے سے تم حقیقی عزت حاصل کر سکتے ہو مگر یہ عزت حاصل کرنا اس وجہ سے نہیں کہ تم میری اولاد ہو اور نہ اس وجہ سے کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے افراد ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جسمانی تعلق کے علاوہ رسول کریم ﷺ جو آپ کے آقا ہیں ان سے بھی جسمانی تعلق کسی کی حقیقی عزت نہیں

کہلا سکتا۔ میں بچہ تھا کہ ہمارے گھر ایک عورت آئی اس نے پانی مانگا۔ اس کو حضرت (اماں جان) نے پانی دیا۔ اس نے کہا کہ تم جانتی نہیں میں سیدانی ہوں اور آل رسول ہوں مجھے تم امتیوں کے گلاس میں پانی پلاتی ہو۔ میں نے جب اس کے منہ سے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کے متعلق عزت کا جذبہ پیدا نہیں ہؤا بلکہ مجھے اس سے شدید نفرت پیدا ہوئی۔ پس تم رسول کریم ﷺ کے ساتھ بھی جسمانی تعلق کی وجہ سے حقیقی عزت حاصل نہیں کر سکتے ہاں یہ طفیلی عزت ضرور ہے۔ حقیقی عزت اس وقت ہوتی ہے جب اس میں اپنا کمال بھی داخل کیا جائے۔ پس تم حقیقی عزت حاصل کرنے کی کوشش کرو جماعت کی خدمت کرو اگر تم اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کی خدمت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم دوہرے اجر کے مستحق ہو گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر تم اس دین کو قبول کر لو تو تم کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر اعراض کرو گے اور اس دین کو ردّ کر دو گے تو پھر عذاب بھی دوہرا ہے۔ پس تمہارا تعلیم کے بعد واپس آنا تم پر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے تم لوگوں کو احمدیت کی تعلیم سے روشناس کرانے کی کوشش کرو اور لوگوں کو سچائی کی تلقین کرو اور جماعت سے جہالت دور کرو اور اپنے فرائض کی طرف جلد سے جلد توجہ کرو۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا صرف خدا کا رحم ہی ہے جو میرے کام بھی آ سکتا ہے اور تمہارے کام بھی آ سکتا ہے۔

(الفضل ۷ تا ۹؍ اپریل ۱۹۶۱ء)

---

۱ ترمذی ابواب البرّ والصلة باب ماجاء فی الشکر لِمَنْ احسن الیک۔

۲ بخاری کتاب الادب باب رحمة الناس والبھائم

۳ البقرة: ۱۴۹

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۵ بُغچه: چھوٹی گٹھڑی

۶ الاعراف: ۲۷

۷ ترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی الحریر (الخ)

۸ بخاری کتاب المناقب باب قول اللّٰہ تعالیٰ یایھا النّاس انّا خلقنکم......